AL-JAMEI Research Journal
ISSN (Print) 3006-4775 (Online) 3006-4783
https://aljamei.com/index.php/ajrj

تفسیرِ اشاری: ابو عبدالرحمٰن السلمی کی حقائق التفسیر میں تصورِ نظم کا مطالعہ

Tafsir-e-Ishāri: A Study of the Concept of Poetry in Abu Abdur Rahman al-Salami's Haqqat al-Tafsir

Nida Bibi

PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Government College University, Faisalabad

Professor Dr. Humayun Abbas Shams

Professor, Department of Islamic Studies, Government College University, Faisalabad

Abstract

This study explores the Qur'anic tradition of interpretation through the lens of Ishārī (allusive/symbolic) exegesis, with special focus on Abū ʿAbd al-Raḥmān al-Sulamī's work Ḥaqāʾiq al-Tafsīr and its implicit concept of Qur'anic coherence (naẓm). The paper begins by situating Ishārī tafsīr within the broader history of Qur'anic interpretation, distinguishing it from purely literal approaches while emphasizing that it does not negate the outward meanings of the text. Instead, Ishārī tafsīr seeks to uncover ethical, spiritual, and inward dimensions of the Qur'an grounded in spiritual experience and moral refinement .The research examines the definition, origins, principles, and methodological limits of Ishārī tafsīr, addressing major scholarly objections and the responses offered by both classical and later scholars. It argues that legitimate Ishārī interpretation operates within the boundaries of Sharīʿah, Arabic language, and established outward meanings, and should be understood as spiritual insight rather than legislative or doctrinal exegesis .A central part of the study analyzes Ḥaqāʾiq al-Tafsīr as one of the earliest systematic compilations of Sufi allusive interpretations. Although concise in form, the work reveals a clear spiritual and thematic coherence between verses and passages. Al-Sulamī presents Qur'anic verses as interconnected stages of an inner journey—moving from fear to hope, purification of the heart, servitude, divine love, and ultimate salvation. Through selected examples from different sūrahs (such as al-Fātiḥah, al-Baqarah, Yā Sīn, and al-Raḥmān), the study demonstrates how al-Sulamī establishes a form of inner coherence that

complements the outward structure of the Qur'an. The study concludes that Ḥaqāʾiq al-Tafsīr represents an early yet significant model of Qur'anic coherence from an Ishārī perspective, portraying the Qur'an not merely as a collection of legal rulings or isolated verses, but as a unified spiritual discourse aimed at the purification of the heart and the realization of divine proximity.

Keywords: Ishari Tafsir, Sufi Exegesis, Qur'anic Coherence (Naẓm), Ḥaqaʾiq al-Tafsir, Spiritual Interpretation

قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش ہمیشہ مختلف زاویوں سے ہوتی رہی ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں علماء نے اپنی علمی، فکری اور روحانی ترجیحات کے مطابق قرآن کی تشریح پیش کی ہے۔ کچھ لوگ زیادہ تر ظاہری الفاظ، لغت اور سیاق پر توجہ دیتے ہیں، جبکہ اکثر اہلِ علم آیات کے باطنی معانی، روحانی پہلو اور دل کی کیفیت کو بھی اہم سمجھتے ہیں۔ اور انہی رجحانات سے قرآن کی تفہیم کے دو بڑے زاویے سامنے آتے ہیں۔ (1) "ظاہری تفسیر" اور (2) "باطنی" یا "اشاری تفسیر"

ظاہری تفسیر زیادہ تر وہ پہلو اور وہ چیزیں سامنے لاتی ہے جو لفظ اور جملے کی براہِ راست ساخت سے نکلتا ہے۔ اس میں لغت، نحو، روایت اور سیاق بنیادی اصول ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس، باطنی یا اشاری تفسیر میں آیت کے اندر پوشیدہ روحانی اشارے، دل کی کیفیت اور انسان کے باطنی سفر کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ یہ پہلو قرآن کے الفاظ کو ایک گہری روحانی روشنی میں سمجھنے کی کوشش ہے، اور اس کی بنیاد صوفیانہ تجربے میں رکھی گئی ہے۔

تفسیرِ اشاری کی ایک طویل اور اہم تاریخی روایت ہے۔ اوائل صوفیہ سے لے کر بعد کے ادوار تک بہت سے لوگ اس راستے پر چلتے نظر آتے ہیں، جن میں "ابو عبد الرحمن السلمی" کا ایک نمایاں نام ہیں۔ ان کی کتاب "حقائق التفسیر" اس روایت کی عمدہ نمائندگی کرتی ہے۔ اور ہم بھی خاص طور پر یہی دیکھیں گے کہ سلمی نے اپنی تفسیر میں آیات کے درمیان ربط اور معنوی ترتیب کو کس انداز سے سمجھا اور ہمیں بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس ربط کو آج کل "نظمِ قرآن" بھی کہا جاتا ہے، جو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ قرآن کا ہر حصہ کسی بڑے معنوی مقصد سے جڑا ہوا ہے۔

اس تحریر کا مقصد سلمی کے تفسیر لکھنے کے طریقے کو سامنے لانا، اس کے اندر موجود روحانی ربط کو سمجھنا اور یہ دیکھنا ہے کہ اشاری تفسیر میں نظم کو کیسے محسوس کیا جاتا ہے اور ان تمام خصوصیات کو دیکھنا ہے جو اس تفسیر کو ممتاز کرتی ہیں۔ یہ پہلو عام طور پر روایتی تفسیروں میں کم زیرِ بحث آتا ہے، جبکہ صوفیا کی تفہیم میں اس کی مرکزی جگہ ہے۔ البتہ اس مطالعے کی حدود بھی ہیں، کیونکہ سلمی کا اسلوب مختصر ہے اور ہر آیت پر ایک محدود سا اشاریہ ملتا ہے۔ اسی دائرے میں رہ کر، ہم ان کے کام کو زیادہ سے زیادہ واضح انداز میں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

تفسیر اشاری کی تعریف

سب سے پہلے تو ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ تفسیر اشاری ہی کیا۔ یہ کون سی ایسی تفسیر ہے جسکی اتنی اہمیت ہے اور یہ تفسیر انسان کے ظاہر کے ساتھ باطن کو بھی صاف کرتی اور سنوار دیتی ہے۔ تفسیرِ اشاری قرآن کی وہ تعبیر ہے جس میں آیات کے ظاہری معنی کے ساتھ دل کی کیفیات اور باطنی اشارے بھی دیکھے جاتے ہیں۔ اس میں لفظوں کے اندر چھپے ہوئے نکات، لطائف اور روحانی مناسبتوں کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

صوفیہ اس انداز کو محض تاویل نہیں سمجھتے، بلکہ وہ اسے قرآن کے ذوقی پہلو کی طرف ایک راستہ تصور کرتے ہیں۔ جس سے انسان کے اندر قران کا ذوق پیدا ہوتا۔

یہ تفسیر عقل اور روایت کے خلاف نہیں جاتی، بلکہ ظاہری معنی کی بنیاد پر ایک باطنی نکتہ پیش کرتی ہے۔ اس میں آیت وہی رہتی ہے، لیکن اس کے پہلو میں ایک سلوکی، اخلاقی یا روحانی معنی پیدا ہو جاتا ہے۔ تفسیر اشاری کا مطلب صوفیانہ طرز و اسلوب پر لکھی گئی تفسیر ہے۔ اس کو علم الاعتبار بھی کیا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کے چوتھے باب میں مفسرین کے جن سات طبقات کا ذکر کیا ہے ان میں ایک صوفیاء کا طبقہ بھی ہے۔ صوفیانہ منبع تفسیر کے حوالے سے شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

"وجماعة يتكلمون بنكات متعلقة بعلم السلوك أو على الحقائق بادنى مناسبة و هذا مسلك الصوفيين"(1)

"یعنی ایک مفسرین کا گروہ ہے جو علم سلوک" اور "علم حقائق سے ادنی مناسبت کی بنیاد پر متعلقہ نکات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں اور یہ صوفیاء کا مسلک ہے۔"

محمد عبد العظیم الزرقانی (م ۱۹۳۸ء) اپنی کتاب " مناحل العرفان في علوم القرآن میں تفسیر اشاری کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

"هو تأويل القرآن بغير ظاهرة الإشارة خفية تظهر الأرباب السلوك والتصوف ويمكن الجمع بينها وبين الظاهر والمراد ايضا، وقد اختلف العلماء في التفسير المذكور فمنهم من أجازة ومنهم من منعه "(2)

"یعنی تفسیر اشاری کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تاویل اس کے ظاہری معنی کے علاوہ کسی ایسے معنی سے کی جائے جس کی بنیاد کوئی ایسا مخفی اشارہ ہو جو ارباب سلوک و تصوف پر منکشف ہوا ہو ان دونوں (تاویل میں جو معنی بیان ہوئے ہیں اور ظاہری مراد) کو جمع کرنا بھی ممکن ہو۔ "

اس کے بعد صاحب " مناہل العرفان لکھتے ہیں کہ:

"علماء کے درمیان اس طرح کی تفسیر کے جواز و عدم جواز کی بابت اختلاف ہے، بعض حضرات نے تو اس کی اجازت دی ہے اور کچھ لوگ اسے نا جائز کہتے ہیں۔"(3)

صوفیانہ تفسیر کا مقصد آیت سے ایسی روشنی لینا ہوتا ہے جو انسان کے اخلاق، دل کی اصلاح اور باطنی سفر میں مدد دے۔ اسی لیے اس میں رموز، اشارات، بواطن اور "مناسبت" کے نکات اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

تفسیرِ اشاری کا آغاز بہت ابتدائی صوفیہ سے ملتا ہے۔ ان بزرگوں نے عبادت، مجاہدہ اور مشاہدہ کے بعد قرآن سے ایسی معانی لیے جو ان کے روحانی ذوق کو ظاہر کرتے تھے۔ سب سے پہلے اس طرز کی طرف اشارہ سری سقطی اور سہل بن عبداللہ تستری کے اقوال میں ملتا ہے۔ سری سقطیؒ کا یہ تصور بعد کے صوفیاء نے نقل کیا ہے، جیسا کہ امام قشیریؒ نے اپنی الرسالۃ القشیریۃ میں قرآن کے ظاہر و باطن کے فرق کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ سری سقطی فرماتے ہیں:

"وقال السَّرِيُّ السَّقَطِيُّ: لِلْقُرْآنِ ظَاهِرٌ يُفْهَمُ بِالعِلْمِ، وَبَاطِنٌ يُدْرَكُ بِالفَهْمِ"[(4)]

"قرآن کا ایک ظاہر ہے جو علم سے سمجھا جاتا ہے، اور ایک باطن ہے جو باطنی فہم سے معلوم ہوتا ہے۔"

پھر حضرت جنید نے اس کے اصول واضح کیے کہ باطنی معنی کبھی ظاہری معنی کے خلاف نہیں ہوسکتے۔ شبلی کے کلمات میں بھی قرآن کی آیات سے روحانی نکات نکالنے کی مثالیں ملتی ہیں۔ ان کے بعد اس روایت کو ابوعبدالرحمٰن السلمی نے ایک باقاعدہ علمی شکل دی۔ ان کی کتاب "حقائق التفسیر" نے اشاری تفسیر کو ایک مستقل فکری مقام دیا۔ ابوعبدالرحمن السلمی نے خود اپنی اس تفسیر کے بارے میں کہا:

"وجمعتُ في هذا الكتاب إشاراتِ المشايخ في تفسير القرآن، مما يدل على حقائق المعاني وأسرارها"[(5)]

"میں نے اس کتاب میں مشائخ کے وہ اشارات جمع کیے ہیں جو قرآن کی حقیقت اور اس کے باطنی اسرار کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔"

بعد میں قشیری اور دوسرے صوفیہ نے بھی اسی روایت کو آگے بڑھایا۔

اشاری تفسیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات

ہر تخلیق پر اعتراض ہوتا ہے اور اشاری تفسیر پر بھی اعتراض ہوا۔ اشاری تفسیر پر سب سے پہلا اعتراض "باطن" کے غلو کا ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں آیت کا اصلی معنی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

روایتی علماء نے اس خدشے کی وضاحت کی ہے کہ باطن کا کوئی بھی معنی ظاہر کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔ اسی لیے معتبر صوفیہ نے ہمیشہ شرط رکھی کہ اشاری معنی آیت کی بنیاد سے باہر نہ جائے، اور نہ ہی شریعت سے ٹکرائے۔ اگر نکتہ شریعت کے خلاف ہو تو وہ محض "خیال" ہوتا ہے، تفسیر نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ایسی تفسیر ہر شخص نہیں کر سکتا۔ صوفیہ خود بھی کہتے ہیں کہ یہ صرف اس کے لیے ہے جس نے قرآن کے ظاہری علوم بھی حاصل کیے ہوں اور دل کی اصلاح بھی کی ہو۔ یوں یہ انداز ذاتی تجربے پر مبنی ہے، لیکن اصولی حدود کے اندر رہتا ہے۔

روایتی علماء کا عمومی موقف یہ ہے کہ اگر اشاری معنی ظاہری معنی کی مخالفت نہ کرے اور قرآن، حدیث، عربی اور اصولِ تفسیر سے نہ ٹکرائے تو اسے "تفسیر" کے بجائے "فہم" یا "استنباط" کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے۔

تفسیرِ اشاری کے اصول اور شرائط

ہر تخلیق چاہے وہ کتاب ہو قرآن کی تفسیر ہو وہ ہر تخلیق اصولوں کے مطابق تخلیق ہوتی ہے اور اسے ان تمام اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تخلیق کرنا چاہیے۔ تفسیر اشاری سے اعتراضات اپنی جگہ لیکن اس کے لیے بھی اصول ہیں اور ان اصولوں کا بیان مندرجہ ذیل ہے۔

تفسیرِ اشاری تصوف کی ایک معروف تفسیری روایت ہے جس میں قرآنِ مجید کی آیات سے ایسے باطنی معانی اخذ کیے جاتے ہیں جو انسان کے اخلاقی اور روحانی احوال سے تعلق رکھتے ہیں۔ صوفیاء کے نزدیک یہ معانی ظاہری تفسیر کے مقابل نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ اسی لیے معتبر اشاری تفسیر میں ظاہری معنی کو برقرار رکھنا ایک بنیادی شرط سمجھی جاتی ہے، اور اشاری مفہوم کو اس کے منافی قرار نہیں دیا جاتا۔

اسی اصول کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔

"فهو ليس تفسيرا بغير علم ولا تلاعبا بكلام الله، وإنما هي إشارات تنكشف لأرباب السلوك"[6]

"یہ بغیر علم کے یا اللہ کے کلام میں تلاعب نہیں ہے، بلکہ یہ وہ اشارات ہیں جو صرف اہلِ سلوک کے لیے کھلتی ہیں۔"

اشاری تفسیر کا دوسرا اہم اصول یہ ہے کہ قرآن و سنت کی اصل مراد محفوظ رہے۔ صوفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ اشارات کے ذریعے کوئی نیا شرعی حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ قرآن کی تشریعی حیثیت اپنی جگہ قطعی ہے۔ اس طرزِ فہم کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ آیت کے اخلاقی اور روحانی پہلو کو واضح کیا جائے، نہ کہ حلال و حرام کے فیصلے اخذ کیے جائیں۔ اس بنا پر اشاری تفسیر کو فقہی استدلال سے الگ رکھا جاتا ہے۔

مزید یہ کہ صوفیا جیسے حضرت شاہ ولی اللہ اشاری معنی کو ذاتی روحانی تجربہ تصور کرتے ہیں، نہ کہ عمومی دینی حکم۔ ہر اشاری تعبیر کسی خاص حال یا کیفیت کے نتیجے میں سامنے آتی ہے، اس لیے اسے سب پر لازم نہیں سمجھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی آیت سے مختلف صوفیا مختلف روحانی نکات اخذ کر سکتے ہیں، مگر یہ اختلاف شریعت کے دائرے سے باہر نہیں جاتا۔

اس نکتے کی صراحت مندرجہ ذیل ہے۔

"الإشارات إنما ينتفع بها أهل السلوك، ولا تُعد تفسيرًا تشريعيًا، وإنما هي فتحٌ روحيٌّ بحسب صفاء القلوب"[7]

"اشارات سے دراصل اہلِ سلوک ہی فائدہ اٹھاتے ہیں، اور یہ تشریعی تفسیر شمار نہیں ہوتیں، بلکہ دلوں کی صفائی کے مطابق ایک روحانی کشف ہوتی ہیں۔"

تفسیرِ اشاری کے اصولوں میں یہ شرط بھی شامل ہے کہ اشارات سے اصل فائدہ اہلِ سلوک کو ہوتا ہے۔ عام قاری کے لیے یہ معانی لازمی نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں جو تزکیۂ نفس اور روحانی تربیت کے مراحل طے کر رہے ہوں۔ اسی لیے اشاری تفسیر کو عمومی تفسیر کے بجائے روحانی تدبر کی ایک خاص صورت قرار دیا جاتا ہے۔ اسکی مثال دیکھیں تو قرآنِ مجید میں حضرت موسیٰؑ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

" فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ "[7]

اس آیت کا ظاہری مفہوم جوتے اتارنے کا حکم ہے، اور یہی معنی اصل ہے۔ تاہم صوفیا نے اس سے یہ اشاری مفہوم اخذ کیا کہ جو شخص اللہ کے قرب کا طالب ہو، اسے دنیا اور آخرت کی غیر اللہ محبتوں کو دل سے نکالنا ہوگا۔ اس مثال میں اشاری معنی ظاہری حکم کی نفی نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ ایک اخلاقی پیغام جوڑ دیتا ہے۔ شیخ خالد عبد الرحمٰن العک اپنی کتاب "اصولِ تفسیر اور اس کے قواعد" میں لکھتے ہیں:

"امام غزالیؒ جو قرآن کی صوفیانہ تفسیر سے منع نہیں کرتے، اگرچہ اس حد تک وسعت کے مخالف ہیں کہ تفسیر محض رموز اور اشارات پر موقوف ہو جائے آیت "فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ" کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ:

"يفسر: "فاخلع نعليك" بقوله: "من يريد إدراك الوحدانية الحقيقية يجب عليه أن يطرح عن نفسه التفكير في الحياتين الدنيا والأخرى"[9]

"جو شخص حقیقی وحدانیت کا ادراک چاہتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ سے دنیا اور آخرت، دونوں زندگیوں کی فکر کو اتار دے (چھوڑ دے)"

اسی طرح سورۂ نحل میں شہد کی مکھی کا ذکر آیا ہے۔ صوفیاء نے اس آیت سے یہ روحانی نکتہ اخذ کیا کہ جس طرح مکھی مختلف پھولوں سے رس لے کر شہد بناتی ہے، اسی طرح سالک مختلف حالات اور آزمائشوں سے گزر کر حکمت اور معرفت حاصل کرتا ہے۔ یہ استنباط آیت کے لفظی مفہوم کے خلاف نہیں بلکہ اس سے اخلاقی سبق اخذ کرنے کی ایک صورت ہے۔

ابو عبد الرحمٰن السُّلمی: مختصر سوانح، علمی خدمات اور تفسیری مقام

کسی بھی تخلیق کے بارے میں جاننے سے پہلے مصنف کو جاننا بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ ان کی شخصیت ان کا علم معلوم ہو سکے۔ ابو عبد الرحمٰن السلمی کا تعارف بھی جان لینا اہم ہے تاکہ انکی تفسیر کے ساتھ انکے علم کا بھی اندازہ ہو سکے۔ ابو عبد الرحمٰن سلمی 52

اپریل 1937ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ پورا نام محمد بن الحسین بن محمد بن موسیٰ، ابو عبد الرحمٰن السلمی، الازدی تھا۔ ان کے والد بہت امیر نہ تھے۔ لیکن بیٹے کی ولادت کی خوشی میں انھوں نے اپنا تمام اثاثہ بیچ کر صدقہ کر دیا۔(10)

ابو عبد الرحمٰن السلمی کا گھریلو ماحول علمی و دینی تھا۔ چنانچہ بالکل ابتدا میں ہی ان کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہو گیا۔ ابو عبد الرحمن کے نانا ابو عمرو بن نجید بڑے عالم اور صوفی تھے۔ انھوں نے ہی ابو عبد الرحمن کی پرورش کی تھی۔ اس لیے باپ کی نسبت الازدی کے مقابلے میں نانا کی نسبت السلمی سے زیادہ مشہور ہوئے۔ جب ان کی عمر صرف 7 یا 8 سال تھی اس وقت سے انھوں نے حدیث لکھنی شروع کی۔ نیشا پور کے جید عالم ابو بکر الضبعی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا اور یہاں سے تعلیم کی تکمیل کے بعد بلاد اسلامیہ کا سفر کیا اور عراق بغداد، رے ہمدان، مرو حجاز وغیرہ کے مشائخ سے حدیث، فقہ اور تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ خطیب نے بغداد کے متعدد اسفار کا تذکرہ کیا ہے۔

سلمیٰ نے بلاد اسلامیہ کے اپنے علمی سفر میں بے شمار علماء سے استفادہ کیا۔ خاص طور پر تصوف اور حدیث کے ائمہ سے انھوں نے زیادہ استفادہ کیا۔ ان کے اساتذہ میں سب سے مشہور شخصیت امام دار قطنی کی ہے۔ جو حدیث کے جلیل القدر امام تھے۔ السلمی نے ان سے طویل عرصے تک استفادہ کیا، اس لیے اس کا نام ہی کتاب "السوالات ہے۔ دار قطنی کے علاوہ ابو نصر السراج جن کی کتاب اللمع في التصوف تصوف کی سب سے پہلی باضابطہ تصنیف مانی جاتی ہے، وہ بھی ان کے اساتذہ میں ہیں۔ ان کے علاوہ ابو القاسم النصر آبادی احمد بن علی بن شاذان ابن حسنویہ، حلیۃ الاولیاء کے مصنف ابو نعیم اصفھانی، ابو بکر القفال شاشی ابو عبد اللہ محمد بن یعقوب الشیباني اور بہت فن سے اساتذہ سے انھوں نے اکتساب فیض کیا۔ السلمیٰ نے ابو القاسم نصر آبادی کے ساتھ بہت وقت گزارا۔ سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہے۔

السلمی کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت ہے ان کے بعض تلامذہ کو تو شہرت لازوال حاصل ہوئی۔ وہ اپنے اپنے علم و فن کے میدان میں امام تسلیم کیے گئے۔ ان کے تلامذہ میں حدیث کے مشہور امام امام بیہقی بھی ہیں۔ ان کے علاوہ تصوف کے امام امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری بھی ان کے شاگرد ہیں۔ امام ابو المعالی جوینی نیشاپوری بھی ان کے شاگرد ہیں۔ تصوف کے جلیل القدر امام شاہ ابو سعید ابو الخیر بھی ان کے شاگرد ہیں۔ مستدرک علی الصحیحین کے مصنف امام حاکم اصلا تو ان کے ساتھی ہیں، لیکن تاریخ نیشاپور میں انھوں نے السلمی سے روایات لی ہیں۔ اس لیے ان کو بھی ان کے تلامذہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

سلمی کے بارے میں ان کے معاصرین اور تلامذہ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کے علمی مقام اور مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ السلمی کے ایک معاصر اور استاد اور اپنے وقت کے جید عالم ابو نعیم اصفہانی نے ان کے بارے میں لکھا ہے: سلمی ان لوگوں میں سے تھے جن کو

صوفیاء کے مذہب میں کامل درک حاصل تھا اور انھوں نے تصوف کو اسلاف اولین کے اقوال کی روشنی میں بیان کیا۔ ان کے طریقے کا اتباع کیا اور ان کے آثار و کتب سے وابستہ رہے جاہل اور نفس پرست صوفیہ نے تصوف میں جو اضافہ کیے ہیں وہ ان سے دور تھے اور ان پر تنقید بھی کرتے تھے۔ اس لیے کہ ان کی نظر میں تصوف کی حقیقت اتباع رسول ﷺ میں مضمر تھی۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے:

"ابو عبدالرحمن کا مقام و مرتبہ ان کے اہل شہر میں بہت بلند تھا اور صوفیہ کے درمیان ان کی بڑی حیثیت تھی۔ ساتھ ہی وہ حدیث کے بھی عالم تھے۔ انھوں نے مشائخ حدیث سے روایات جمع کیں اور کتابیں لکھیں۔ نیشاپور میں ان کا ایک دائرہ خانقاہ اب بھی ہے جس میں صوفیہ رہتے ہیں، میں خود وہاں گیا تھا اسی دائرہ میں ان کی قبر ہے میں نے قبر کی زیارت بھی کی۔"(11)

ابو عبدالرحمٰن سلمی نے تفسیر، تصوف اور اسماء الرجال میں متعدد کتابیں لکھیں۔

1۔ حقائق التفسیر

2۔ طبقات الصوفیہ: یہ تصوف کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ شیخ الاسلام عبداللہ انصاری نے اس کا آزاد فارسی ترجمہ اور اس پر اضافے کیے ہیں۔

3۔ مناھج العارفین یہی کتاب سلوک مناہج العارفین کے نام سے بھی ملتی ہے۔

4۔ جوامع آداب الصوفیہ

5۔ عیوب النفس

6۔ رسالہ الملامتیہ

7۔ درجات المعاملات

8۔ آداب الصحبۃ وحسن العشیرۃ

9۔ آداب الفقر و شرائط

10۔ الفرق بین علم الشریعہ والحقیقہ

11۔ مسالا درجات الصالحین

12۔ غلطات الصوفیہ

13۔ بیان زلل الفقراء و مواجب آدابھم

14۔ کتاب الفتوۃ

15۔ سلوک العارفین

16۔ تہذیب الناسخ والمنسوخ فی القرآن لابن شہاب زہری

17۔ الاربعون فی اخلاق الصوفیہ

18۔ مسائل وردت من مکہ

19۔ وصیت

20۔ آداب الصوفیہ

21۔ کتاب السماع

22۔ حدیث السلمي

23۔ سوالات للدارقطني عن احوال المشائخ والرواۃ

24۔ مقامات الاولیاء

25۔ الرد علی اہل الکلام

26۔ الفرق بین الشریعہ والحقیقہ

27۔ الفتوۃ

یہ ابو عبد الرحمٰن السلمی کی تصانیف اور علمی خدمات ہیں ۔ابو عبد الرحمٰن سلمی کی وفات اتوار کے دن 3 شعبان 412ھ/1012ء میں ہوئی۔(12)

ابوعبدالرحمن السلمی: "حقائق التفسیر" میں تصور نظم کا مطالعہ

"حقائق التفسیر" ابوعبدالرحمن السُّلمی کی ایک اہم تصنیف ہے جو اشاری تفسیر کے ابتدائی نمونوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ کتاب اس دور میں لکھی گئی جب صوفیانہ افکار زیادہ تر زبانی روایت تک محدود تھے۔ سلمی نے پہلی مرتبہ ان منتشر اشارات کو قرآن کی آیات کے تحت باقاعدہ جمع کیا۔"اس کتاب کی تالیف چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تصوف ایک واضح فکری روایت کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ نیشاپور جیسے علمی مرکز میں رہتے ہوئے سلمی نے صوفیہ کے اقوال کو محفوظ کرنے کی ضرورت محسوس کی۔یہی احساس اس کتاب کی تالیف کا بنیادی محرک بنا۔

"حقائق التفسیر" کی ساخت سورت بہ سورت ہے۔ ہر سورت کے تحت متعلقہ آیات درج کی گئی ہیں۔ پھر ہر آیت کے نیچے صوفیہ کے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ اس ترتیب سے قاری کو قرآن اور صوفیانہ فہم کے درمیان ربط نظر آتا ہے۔یہ کتاب حجم میں مختصر

ہے، مگر معنوی اعتبار سے گہری ہے۔ سلمی طویل بحث نہیں کرتے۔ وہ صرف اشارہ نقل کرتے ہیں۔ یہی اختصار اس کتاب کی ایک بڑی خوبی ہے۔ قاری خود غور و فکر پر مجبور ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سلمی نے اس کتاب میں اپنی ذاتی آراء کم پیش کیں۔ زیادہ تر انہوں نے سابق صوفیہ کے اقوال کو جمع کیا۔ اس سے کتاب کی علمی حیثیت مزید مضبوط ہو جاتی ہے۔

"حقائق التفسیر" کا اسلوب سادہ مگر گہرا ہے۔ سلمی ہر آیت کے تحت ایک یا چند صوفی اقوال نقل کرتے ہیں۔ وہ ان اقوال کی شرح یا توضیح کم ہی کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قاری کو ذوقِ سلوک رکھنے والا سمجھتے ہیں۔ اس کتاب میں رمزی اور اشاری بیانات بکثرت ملتے ہیں۔ الفاظ کم ہوتے ہیں، مگر مفہوم وسیع ہوتا ہے۔ یہی صوفیانہ اسلوب کی پہچان ہے۔ یہاں عقل سے زیادہ دل سے فہم کی دعوت دی جاتی ہے۔

سلمی کا ایک اہم امتیاز یہ ہے کہ وہ روایت اور مشاہدہ دونوں کو ساتھ رکھتے ہیں۔ ایک طرف وہ مشائخ کے اقوال روایت کے طور پر نقل کرتے ہیں۔ دوسری طرف ان اقوال میں روحانی تجربے کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ یوں کتاب نہ صرف علمی روایت ہے بلکہ روحانی ذوق کی نمائندہ بھی ہے۔ اسلوب میں غلو نہیں پایا جاتا۔ سلمی کسی ایسے اشاری معنی کو جگہ نہیں دیتے جو شریعت کے خلاف ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے علماء نے ان کی کتاب کو مکمل طور پر رد نہیں کیا، بلکہ احتیاط کے ساتھ قبول کیا۔

"حقائق التفسیر" میں اشارات ظاہری معنی کی نفی نہیں کرتے۔ بلکہ ظاہری مفہوم کے ساتھ ایک اضافی روحانی نکتہ سامنے لاتے ہیں۔ یہی وہ توازن ہے جو اس کتاب کو دیگر باطنی تفاسیر سے ممتاز کرتا ہے۔ حقائق التفسیر کے منابع متنوع ہیں۔ سلمی نے اس کتاب میں مختلف طبقات سے استفادہ کیا ہے۔ سب سے پہلے اقوالِ سلف کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ بعض مقامات پر ایسے اقوال ملتے ہیں جو زہد اور تقویٰ کی ابتدائی اسلامی روایت سے جڑے ہوئے ہیں۔ دوسرا بڑا منبع صوفی اقوال ہیں۔ سری سقطی، سہل تستری، جنید، شبلی اور دیگر مشائخ کے اقوال اس کتاب میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔ سلمی نے ان اقوال کو سند کے ساتھ یا معروف نسبت کے ساتھ نقل کیا ہے، جس سے ان کی علمی دیانت ظاہر ہوتی ہے۔

تیسرا اہم منبع روحانی تجربات ہیں۔ یہ تجربات براہِ راست بیان نہیں کیے گئے، مگر صوفی اقوال کے اندر ان کی جھلک موجود ہے۔ ہر اشارہ کسی نہ کسی باطنی حال کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ تاہم سلمی نے ان تجربات کو شریعت کے دائرے میں رکھا ہے۔ یہی تعددِ مصادر اس کتاب کو اہم بناتا ہے۔ یہ محض ایک شخص کی فکر نہیں، بلکہ صوفیانہ روایت کا اجتماعی آئینہ ہے۔ اسی وجہ سے بعد کے مفسرین، خصوصاً قشیری، نے اس کتاب سے استفادہ کیا۔

"حقائق التفسیر" اشاری تفسیر کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کتاب نے اشاری فہم کو منتشر اقوال سے نکال کر ایک مدون صورت دی۔اسی بنیاد پر بعد میں اشاری تفسیر کو ایک مستقل علمی روایت کے طور پر پہچانا گیا۔

یہ کتاب اس بات کا ثبوت ہے کہ تصوف قرآن سے جدا نہیں بلکہ اس کے باطنی پہلو کی ایک محتاط تعبیر ہے۔ سلمی نے اشارات کو شریعت کے تابع رکھا،اور یہی ان کی سب سے بڑی علمی خدمت ہے۔اور "حقائق التفسیر "میں تصور نظم کی بات کریں تو سب سے پہلے اب ہم نظم وربط کے بارے میں جانیں گے۔

قرآن کریم کے بے شمار علوم میں سے ایک علم نظم و مناسبت کا بھی ہے جس کی بنیاد قرآن مجید کی ترتیب کے توفیقی ہونے پر ہے،اس کے بارے میں جدید وقدیم لٹریچر میں بہت سے نظریات ملتے ہیں۔

نظم کی لغوی تعریف

باہم ملانا،ترتیب دینا،منسلک کرنا۔[13]

اصطلاحی تعریف

"کسی ایک آیت میں یاجملہ آیات یاسورتوں کاباہمی ربط سبب نظم قرآن بامناسبت قرآن کہلاتاہے۔"[14]

قرآن مجید کی تفہیم میں "نظم" ایک بنیادی تصور ہے۔ نظم سے مراد آیات اور سورتوں کے درمیان باہمی ربط ہے۔یہ ربط لفظی بھی ہو سکتاہے اور معنوی بھی۔قدیم مفسرین نے نظم کو زیادہ تر مناسبت کے عنوان سے بیان کیا۔یعنی ایک آیت کا اگلی آیت سے تعلق یا ایک مضمون کا دوسرے مضمون سے جُڑ جانا۔جدید دور میں نظمِ قرآن کو باقاعدہ ایک نظریہ کی شکل دی گئی۔

اس حوالے سے مولانا حمید الدین فراہی کا نام نمایاں ہے۔انہوں نے قرآن کو thematic unity یعنی موضوعاتی وحدت کے اصول پر سمجھنے کی کوشش کی۔فراہی کے نزدیک ہر سورت کا ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے۔تمام آیات اسی مضمون کے گرد گھومتی ہیں۔

تفسیرِ اشاری میں "نظم" کا مفہوم

تفسیرِ اشاری میں نظم کا تصور ظاہری نظم سے مختلف ہے۔یہاں توجہ لفظی ترتیب پر کم ہوتی ہے۔اور باطنی ربط پر زیادہ۔اشاری تفسیر میں آیات کے درمیان ربط روحانی تجربے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔یہ ربط دل کی کیفیت سے جُڑا ہوتا ہے،نہ کہ صرف عقل کی ترتیب سے۔صوفیہ کے نزدیک قرآن ایک زندہ کلام ہے۔اس کی آیات سالک کے حال کے مطابق معانی کھولتی ہیں۔اسی لیے اشاری نظم جامد نہیں ہوتا۔اشاری نظم میں ایک آیت دوسری آیت کی روحانی تکمیل کرتی ہے۔معانی سطح در سطح آگے بڑھتے ہیں ۔ یہی روحانی تسلسل ہے۔

مثلاً ایک آیت میں خوفِ الٰہی کا ذکر ہو اور اگلی آیت میں قربِ الٰہی کا۔ اشاری تفسیر میں یہ ترتیب سلوک کے مراحل کی علامت بن جاتی ہے۔ یہاں نظم کا مقصد باطنی معانی کا اتحاد ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ یعنی مختلف آیات ایک ہی روحانی حقیقت کی طرف اشارہ کریں۔ اسی کو معانی کا باطنی اتحاد کہا جا سکتا ہے۔ ظاہری طور پر آیات مختلف موضوعات پر ہوں، مگر اشاری سطح پر وہ ایک ہی حقیقت کی وضاحت کر رہی ہوتی ہیں۔

اشارہ دراصل ایک دروازہ ہے۔ یہ معنی کو محدود نہیں کرتا، بلکہ وسیع کرتا ہے۔ جب صوفی کسی آیت سے اشارہ لیتا ہے، تو وہ اسے قرآن کے مجموعی پیغام سے جوڑتا ہے۔ یوں ایک آیت دوسری آیت کے ساتھ باطنی ربط میں آ جاتی ہے۔ اشارہ ظاہری معنی کو منسوخ نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے اندر ایک نئی جہت کھول دیتا ہے۔ اسی جہت کے ذریعے آیات کے درمیان نظم قائم ہوتا ہے۔

ابو عبد الرحمٰن السلمی کے ہاں یہ اشاری نظم بہت نمایاں ہے۔ وہ ایک آیت کے تحت ایسا قول نقل کرتے ہیں جو پچھلی اور اگلی آیت دونوں سے باطنی طور پر جڑا ہوتا ہے۔ یہ ربط قاری کو فوراً نظر نہیں آتا۔ لیکن غور کرنے سے آیات ایک روحانی زنجیر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ یوں تفسیرِ اشاری میں نظم ظاہری ساخت نہیں، بلکہ باطنی وحدت کا نام ہے۔

ابو عبد الرحمٰن السلمی کے ہاں "حقائق التفسیر" میں قرآن کا تصورِ نظم اس انداز سے موجود ہے کہ ہر آیت ایک دوسرے سے روحانی اور باطنی ربط میں جڑی ہوئی ہے۔ ظاہری ترتیب کے ساتھ ساتھ باطنی معنوی تسلسل بھی نمایاں ہے، جو قاری کو اللہ کی صفات اور آیات کے درمیان تعلق سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

" إن معنى الرحيم هو ما يخرج من الرحمة الرحيمية لمعاش الخلق ومصالح أبدانهم فلذلك لم يمنعوا أن يتسموا بالرحيم ومنعوا بالتسمية بالرحمن. وقيل : إن معنى الرحيم أي بالرحيم وصلتم إلى الله وإلى الرحمن والرحيم. وذكر عن عطاء أو غيره أنه قال : الحمد الله إقرار المؤمنين بوحدانيته وإقرار الموحدين بفردانيته وإقرار العارفين باستحقاق ربوبيته، فالأول إقرار بالإلهية والثاني إقرار بالربوبية والثالث إقرار بالتعظيم. وقيل الحمد : هو الثناء الله فثناء المؤمنين في قراءة فاتحة الكتاب وثناء المريدين بالذكر في الخلوات وثناء العارفين في الشوق إليه والأنس به ..."(15)

"اللہ کی رحمت تمام مخلوقات کے معاش اور فلاح کے لیے جاری ہے۔ اسی لیے مخلوق کو اللہ کے صفات میں شامل ہونے سے منع نہیں کیا گیا، جبکہ لفظ "الرحمن" کے لیے خاص حدود رکھی گئی ہیں۔ "الحمد للہ رب العالمین" کو تین درجات میں بیان کیا گیا ہے:

1۔ ایمان والوں کے لیے: اللہ کی یکتائی کا اقرار

2۔ موحدین کے لیے: اللہ کی ربوبیت کا اعتراف

3۔ عارفین کے لیے: اللہ کی عظمت اور استحقاقِ ربوبیت کا اعتراف"

یہ تعریف ظاہر کرتی ہے کہ ہر لفظ اور صفت آیات کے درمیان روحانی اور معنوی ربط پیدا کرتا ہے، جو اشاری نظم کے تصور کی بنیاد ہے۔

ابو عبد الرحمٰن السلمی کے ہاں ہر وصف اور آیت ایک دوسرے کے ساتھ باطنی معنوی تسلسل میں جُڑتی ہے:"الرحیم" سے "الرحمن" تک روحانی ربط آیات اور صفات کے درمیان اشاری معنی قاری کو باطنی مفہوم سمجھنے میں مدد دیتے ہیں اس طرح قرآن کی ہر آیت ظاہری ترتیب کے ساتھ باطنی ربط بھی پیش کرتی ہے ابو عبد الرحمن السلمی کے ہاں حقائق التفسیر میں آیات اور صفات کا تسلسل ایک اشاری نظم کے طور پر واضح ہوتا ہے، جو قرآن کی باطنی معنوی ترتیب کو نمایاں کرتا ہے۔

ابو عبد الرحمٰن السلمی کے ہاں حقائق التفسیر میں سورۃ الفاتحہ کی آیت "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کی تشریح میں اشاری نظم اور باطنی ربط نمایاں ہے۔ ان کے نزدیک یہ آیت صرف ظاہری عبادت کی تعلیم نہیں دیتی بلکہ روحانی توجہ اور دل کی مکمل وابستگی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ آیت کے الفاظ ہر سطح پر انسان کی اللہ کے ساتھ تعلق اور عبودیت کو بیان کرتے ہیں: ظاہری اعمال، باطنی معرفت، اور خلوص وارادہ۔ اس تفسیر میں انہوں نے دوسرے صوفیا کے نظریات بھی لکھے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"قال الجنيد : إن الله عز وجل خص قوماً بمعرفة عبوديته ، فأفردوا له العبودية ثم أخرجهم عن ذلك فعرفوا أنفسهم ، وما تولى الله من ذلك لهم فقالوا : وإياك نستعين على عبادتها إذ لا يمكن أداؤها إلا بك ، فبك عبدنا كذلك ، وبك استعنا على شكر النعمة فيه."

"وقال القاسم: إياك نعبد بالتوفيق ، وإياك نستعين على شكر ما وفقتنا له من عبادتك"(16)

"جنید فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو اپنی عبودیت کا ادراک حاصل کرنے کے لیے منتخب کیا۔ انہوں نے صرف اللہ کے لیے عبودیت کو مخصوص کیا اور اس کے بعد اپنی ذات کا ادراک پایا۔ اللہ نے ان کے لیے یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ خود اپنے اعمال کے حقدار بنیں، اس لیے انہوں نے کہا: "ایاک نعبد و ایاک نستعین" یعنی عبادت صرف اللہ کے ذریعے ممکن ہے، اور اسی کے ساتھ ہم اس کی نعمت کے شکر گزار ہوتے ہیں۔
قاسم فرماتے ہیں: ہم صرف اللہ کے توفیق سے عبادت کرتے ہیں اور اسی کی مدد سے شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمیں وہ عبادت انجام دینے کی توفیق دیتا ہے جو اللہ نے ہمیں دی ہے۔"

اس آیت کی تشریح ظاہر کرتی ہے کہ عبادت اور استعانت صرف اللہ کی مدد سے مکمل ہوتی ہے، اور یہ اشاری نظم اور باطنی ربط کے تصور کی بنیاد پر روحانی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

ابو عبد الرحمٰن السلمی کے ہاں حقائق التفسیر میں سورۃ البقرہ کی آیت "ختم اللہ علی قلوبھم" (اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی) کی تشریح میں اشاری نظم اور باطنی ربط نمایاں ہے۔ یہاں ہر آیت ایک روحانی سلسلہ اور باطنی ربط ظاہر کرتی ہے۔ آیت ۷ میں دلوں کی مہر ظاہر کرتی ہے کہ روحانی بینش کے بغیر انسان حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔

ابو عبد الرحمٰن السلمی کی اشاری تفسیر میں یہ آیات باطنی تعلیمات اور قلبی بصیرت کے لیے ایک مربوط نظم پیش کرتی ہیں، جو ظاہری الفاظ کے پیچھے چھپے روحانی معانی کو سمجھنے کی رہنمائی کرتی ہیں۔(17)

سورة أنزلناها وفرضناها ...

الزانية والزاني فاجلدوا ...

إلا الذين تابوا ...

وليشهد عذابهما طائفة من المؤمنين ...

ہم نے یہ سورہ نازل کی اور اس کے احکام فرض کیے۔

جو زانی اور زانیہ ہیں، ان کو سزا دو۔

مگر جو توبہ کر لیں، ان پر رحم کیا جائے۔

اور سزا کا مشاہدہ ایک مخصوص مومنوں کے گروہ کے لیے مقرر کیا گیا ہے، تاکہ وہ اس حکمت اور عدل کو سمجھیں اور اللہ کی قدرت اور نعمتوں کی معرفت حاصل کریں۔

ابو عبد الرحمٰن السلمی کے نزدیک یہ آیات روحانی تسلسل اور باطنی نظم کی مثال ہیں:

"آیت ١ میں سورہ کے نازل ہونے اور احکام کے فرض ہونے کو ظاہر کیا گیا، جو قرآن کے نظم میں اصلاحی اور قانونی ربط پیدا کرتا ہے۔آیت ٢ میں حد کا حکم اور توبہ روحانی اصلاح کے لیے اشارہ ہے، ظاہر اور باطن کی ہم آہنگی دکھاتا ہے۔آیت ٥ میں مخصوص مومنین کے مشاہدے کی وضاحت نظم میں روحانی تسلسل کو قائم رکھتی ہے: ہر آیت ایک باطنی سبق اور نصیحت سے مربوط ہے۔"[18]

اس طرح ہر آیت باطنی معنی کے ذریعے قرآن کے ظاہری احکام کے ساتھ مربوط ہے، اور تصورِ نظم کے اصول کو برقرار رکھتی ہے۔

"إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ" (الشعراء: 89)

ابو عبد الرحمٰن السلمیؒ کے ہاں حقائق التفسیر میں اس آیت کی تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کا اصل مقصود محض ظاہری اعمال نہیں بلکہ دل کی ایسی کیفیت ہے جو پورے قرآن کے اخلاقی اور روحانی نظم سے ہم آہنگ ہو۔ اس آیت میں نجات کا معیار "قلبِ سلیم" کو قرار دیا گیا ہے، جو پورے سیاق میں باطنی اصلاح اور اخلاص کے مرکزی تصور کو مضبوط کرتا ہے۔

السلمیؒ اس آیت کے تحت صوفیہ کے اقوال نقل کرتے ہیں، جو باہم مل کر "قلبِ سلیم" کا ایک مربوط اشاری تصور پیش کرتے ہیں:

"قال ابن عطاء رحمه الله: قلب خالٍ من الاشتغال بشيءٍ سوى مولاه، سلم له الطريق إليه فلم يفرح بشيءٍ سواه"[19]

"ابن عطاؒ فرماتے ہیں: قلبِ سلیم وہ دل ہے جو اپنے مولا کے سوا ہر شے سے خالی ہو، اس کے لیے اللہ تک پہنچنے کا راستہ صاف ہو جائے، اور وہ اللہ کے سوا کسی چیز پر خوش نہ ہو۔"

یہاں اشاری نظم یہ ہے کہ دل کا خلوص ہی انسان کے تمام اعمال کو ایک مرکز پر جمع کرتا ہے۔ اسی مفہوم کو مزید واضح کرتے ہوئے السلمیؒ نقل کرتے ہیں:

"وقال الجنيد رحمه الله: السليم الذي لا يكون فيه إلا حبه"[20]

"جنیدؒ فرماتے ہیں: قلبِ سلیم وہ ہے جس میں اللہ کی محبت کے سوا کچھ نہ ہو۔"

یہ قول آیت کے باطنی ربط کو نمایاں کرتا ہے کہ نجات کا مدار محبتِ الٰہی پر ہے، نہ کہ محض ظاہری وابستگی پر۔ اسی تسلسل میں دل کی تطہیر کو نظمِ قرآن کا حصہ بناتے ہوئے یہ اشارت بتاتی ہے کہ دل کی بیماری قرآن کے عمومی اخلاقی نظم کے خلاف ہے، جبکہ سلامتی اس نظم کے مطابق ہے۔

السلمیؒ کے ہاں ان تمام اقوال کا مجموعی مفہوم یہ بنتا ہے کہ "قلبِ سلیم" کوئی ایک وقتی کیفیت نہیں بلکہ مسلسل روحانی تطہیر کا نتیجہ ہے۔ آیت 89، سابقہ آیات میں بیان کردہ خوفِ آخرت اور اللہ کے حضور جواب دہی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اور یوں پورے رکوع میں ایک باطنی نظم قائم ہوتا ہے: خوف، رجوع، تطہیر قلب، نجات

اس طرح ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ کے نزدیک اس آیت میں نظمِ قرآن کا اشاری پہلو یہ ہے کہ انسان کی نجات کا سفر دل کی اصلاح سے شروع ہو کر اللہ کی خالص محبت پر منتج ہوتا ہے، اور یہی قرآن کے پیغام کا باطنی اتحاد ہے۔

ابو عبدالرحمن السلمیؒ کی تفسیر "حقائق التفسیر" اشاری وصوفیانہ تفاسیر میں ایک بنیادی مقام رکھتی ہے۔ اس تفسیر کا امتیاز یہ ہے کہ السلمی قرآنِ مجید کی آیات کو ظاہری معنی کے ساتھ ساتھ باطنی اور قلبی معانی میں مربوط انداز سے بیان کرتے ہیں۔ سورت یٰس میں بھی یہی اشاری اسلوب نمایاں ہے جہاں حیات، عبادت، فطرت، مغفرت اور جنت کے تصورات ایک مربوط نظم (تصورِ نظم) میں سامنے آتے ہیں۔

ابو عبدالرحمٰن السلمی کی تفسیر میں سورت یٰس میں عبادتِ فطری اور تصورِ نظم بہت خوبصورتی سے موجود ہے وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي" (یٰس: 22)

اس آیت میں عبادت کو انسانی فطرت سے جوڑا گیا ہے۔ السلمی کے ہاں عبادت کوئی خارجی جبر نہیں بلکہ فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے۔ اس آیت کا اشاری مفہوم بیان کرتے ہوئے ابنِ عطاءؒ کہتے ہیں:

"بالفطرة جعل الأشخاص في قبضة القدرة، والأرواح في قبضة العزة"[(21)]

"فطرت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے جسموں کو قدرت کی گرفت میں اور روحوں کو عزت کی گرفت میں رکھا۔"

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ سورت یٰس کا نظم انسان کو اس کی اصل طرف لوٹاتا ہے، جہاں عبادت، بندگی اور معرفت فطری حالت بن جاتی ہے۔ اسی سیاق میں السلمی یہ تصور بھی نقل کرتے ہیں کہ جو شخص عبادت کو محض اجر کے لیے انجام دیتا ہے وہ اجیر ہے، جبکہ حقیقی عبد وہ ہے جو اللہ کے حکم کی تعظیم میں مشغول ہو، نہ کہ ثواب کی طلب میں۔ یہ مفہوم سورت یٰس کے نظم میں اخلاصِ عبادت کی بنیاد فراہم کرتا ہے.

حقائقُ التفسیر میں تصورِ نظم سورۃ الرحمٰن کی آیات کی روشنی میں دیکھیں تو ابو عبد الرحمٰن السُّلمیؒ کے ہاں حقائقُ التفسیر میں قرآنِ مجید کی آیات کو محض الگ الگ معانی کے طور پر نہیں دیکھا جاتا، بلکہ ان کے درمیان ایک روحانی ربط، معنوی تسلسل اور باطنی نظم نمایاں طور پر موجود ہے۔ سورۃ الرحمن میں انسان کی تخلیق، تعلیم، عدل، نعمت، فنا اور بقا جیسے مضامین ایک مربوط روحانی نظام میں سامنے آتے ہیں، جو اشاری تفسیر کے مزاج کو واضح کرتے ہیں۔

"خَلَقَ الْإِنْسَانَ o عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" (الرحمٰن: 3-4)

"اس نے انسان کو پیدا کیا، اسے بیان سکھایا۔"

ابو عبد الرحمٰن السُّلمیؒ اس آیت کے تحت انسانی تخلیق اور علم کے باطنی ربط کو نمایاں کرتے ہیں، اور تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قال الجنيد رحمه الله: خص آدم بأن خلقه بيده ونفخ فيه من روحه"

"وقال سهل: علمه البيان أي الكلام الذي هو ذهن الخلق ونفس الروح"[22]

یہاں تخلیقِ انسان اور تعلیمِ بیان کو جدا نہیں رکھا گیا، بلکہ ایک ہی روحانی نظم میں جوڑا گیا ہے۔ پہلے وجود دیا گیا، پھر شعور۔ سلمیؒ کے نزدیک یہ ترتیب ظاہر کرتی ہے کہ انسان کا اصل کمال اس کے علم اور شعور میں ہے، جو اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے۔ یہی نظم انسان کے ظاہری وجود سے اس کے باطنی شعور تک کا سفر دکھاتا ہے۔

"وَأَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ" (الرحمٰن: 9)

"اور انصاف کے ساتھ وزن قائم کرو۔"

اس آیت کے ذیل میں سلمیؒ نقل کرتے ہیں:

"قال ابن عطاء: أظهر الوحدانية بصدق الظاهر وصفاء الباطن"[23]

یہاں مادی عدل اور روحانی توازن کو ایک نظم میں سمو دیا گیا ہے۔ وزن کا قیام صرف معاشرتی انصاف نہیں، بلکہ ظاہر و باطن کی ہم آہنگی بھی ہے۔ اس طرح سورۃ الرحمن میں انسان کی تخلیق کے بعد اس کے اخلاقی و روحانی توازن کی بات ایک منطقی اور معنوی ربط کے ساتھ آتی ہے۔ ابو عبد الرحمٰن السُّلمیؒ کی حقائقُ التفسیر میں سورۃ الرحمٰن محض مختلف اقوال کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک مربوط روحانی نظام ہے۔ ہر آیت اگلی آیت سے معنوی طور پر جڑی ہوئی ہے۔ یہی اشاری نظم سلمیؒ کی تفسیر کو منفرد بناتا ہے، جہاں قرآن کا پیغام دل، روح اور معرفت کی سطح پر ایک مکمل وحدت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

ابو عبد الرحمٰن السُّلمیؒ کی تفسیر حقائقُ التفسیر اشاری تفسیر کی ایک اہم اور ابتدائی تصنیف ہے۔ یہ تفسیر بظاہر مختصر اقوال پر مشتمل ہے، مگر اس کے اندر ایک واضح فکری اور روحانی نظم پایا جاتا ہے۔ السلمیؒ قرآن کی آیات کو محض الگ الگ نہیں دیکھتے، بلکہ ان کے درمیان معنوی اور روحانی ربط کو نمایاں کرتے ہیں۔

السلمیؒ کے ہاں نظم کا تصور ظاہری ترتیب تک محدود نہیں۔ وہ آیات کے درمیان باطنی تعلق کو اہمیت دیتے ہیں۔ ایک آیت انسان کی تخلیق پر روشنی ڈالتی ہے، تو اگلی آیت اس کی تربیت، شعور اور اخلاقی ذمہ داری کو واضح کرتی ہے۔ اس طرح قاری کو ایک مسلسل فکری سفر میں لے جایا جاتا ہے۔

حقائق التفسیر میں یہ بات نمایاں ہے کہ ہر سورت ایک روحانی وحدت رکھتی ہے۔ السلمیؒ سورت کے آغاز سے آخر تک معانی کے تدریجی ارتقا کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن کا خطاب انسان کے دل اور باطن کی اصلاح کے لیے ہے، اس لیے آیات کا ربط بھی اسی باطنی مقصد کے تحت قائم ہوتا ہے۔ السلمیؒ کے نزدیک نظم کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ظاہری معنی اور باطنی معنی میں ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ باطنی اشارہ ہمیشہ ظاہری معنی کی تکمیل کرتا ہے۔ یہی اصول ان کی تفسیر کو اعتدال میں رکھتا ہے اور غلو سے بچاتا ہے۔ اس انداز سے آیات کے درمیان ہم آہنگی قائم رہتی ہے۔

حقائق التفسیر میں اکثر یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ ایک ہی سورت میں انسان، کائنات اور خدا کے تعلق کو مرحلہ وار بیان کیا گیا ہے۔ پہلے انسان کی حالت بیان ہوتی ہے۔ پھر اس کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ اس کے بعد انجام اور نتیجے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ یہ ترتیب خود ایک مضبوط نظم کی علامت ہے۔ السلمیؒ کے اشاری اسلوب میں نظم کا تعلق عقل سے زیادہ دل سے ہے۔ وہ منطقی ربط کے بجائے روحانی تسلسل کو نمایاں کرتے ہیں۔ آیات کا باہمی تعلق انسان کے باطنی تجربے کے مطابق سامنے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر اہلِ سلوک کے لیے زیادہ مؤثر محسوس ہوتی ہے۔

اس تفسیر میں نظم کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ دنیا اور آخرت، خوف اور امید، فنا اور بقا جیسے مضامین ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ السلمیؒ ان موضوعات کو الگ الگ نہیں رکھتے، بلکہ انہیں ایک ہی روحانی حقیقت کے مختلف پہلو قرار دیتے ہیں۔ یہ فکری وحدت قرآن کے مجموعی پیغام کو مضبوط بناتی ہے۔

حقائق التفسیر میں سورت کے اندر آیات کا ربط اس طرح قائم کیا گیا ہے کہ قاری ایک مقام سے دوسرے مقام تک فطری طور پر منتقل ہوتا ہے۔ معنی ٹوٹتے نہیں۔ خیال منقطع نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر آیت پچھلی آیت کی توسیع معلوم ہوتی ہے۔ یہی اشاری نظم کی اصل روح ہے۔

السلمیؒ کی تفسیر میں تصورِ نظم یہ واضح کرتا ہے کہ قرآن صرف احکام کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک مربوط روحانی نظام ہے۔ ہر سورت ایک پیغام رکھتی ہے۔ اور ہر آیت اس پیغام کا ایک جزو ہے۔ اس طرح حقائق التفسیر اشاری تفسیر میں نظمِ قرآن کی ایک ابتدائی مگر مضبوط مثال بن جاتی ہے۔

حوالہ جات

1۔ دہلوی، ولی اللہ شاہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، 2012ء، ص 7

2۔ الزرقانی، محمد عبد العظیم، مقابل العرفان فی علوم القرآن، مطبعہ عیسی البانی الیمی وشرکاء، 2019ء، ج 2، ص 78

3۔ ایضاً

4۔ القشیری، ابوالقاسم عبد الکریم بن ہوازن، الرسالۃ القشیریۃ، تحقیق: عبد الحلیم محمود و محمود بن الشریف، دار المعارف، قاہرہ، 1966ء، ص 33

5۔ السلمی، ابوعبد الرحمٰن محمد بن الحسین، حقائق التفسیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 2001ء، ص 89

6۔ الفقیر الثانی، التفسیر الاشاری الصوفی اللنصوص، المکتبۃ الشاملہ، رقم الکتاب: 104183، ص 5

7۔ ایضاً، ص 6

8۔ طٰہٰ: 12

9۔ الفقیر الثانی، التفسیر الاشاری الصوفی اللنصوص، المکتبۃ الشاملہ، رقم الکتاب: 104183، ص 6

10۔ السلمی، ابوعبد الرحمٰن محمہ بن الحسین، اخذ شدہ بتاریخ 9، اکتوبر 2017ء۔
https://www.babelio.com/auteur/wd/47623

11۔ مصنف فرانس کا قومی کتب خانہ عنوان: اوپن ڈیٹا پلیٹ فارم
https://catalogue.bnf.fr/ark:/12148/cb12133338g، شدہ بتاریخ: 10 اکتوبر 2015ء

12۔ الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، مطبعۃ السعادۃ، مصر، 1931ء، ص 443

13۔ وحید الزمان قاسمی کیرانوی، القاموس الوحید، ادارۂ التعلیم، لاہور، 2001ء، ص 1669

14۔ مناع الخلیل القطان، مباحث فی علوم القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1995ء، ص 97

15۔ السلمی، ابوعبد الرحمٰن محمد بن الحسین، حقائق التفسیر، ص 93

16۔ ایضاً، ص 94

17۔ ایضاً، ص 98

18۔ ایضاً، ص 317

19۔ ایضاً، ص 337

20۔ ایضاً، ص 337

21۔ ایضاً، ص 383

22۔ ایضاً، ص 447

23۔ ایضاً، ص 4